© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

تقویم ہجری

اور

عالم اسلام میں ایک دن عید منانے کا مسئلہ

پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن عیدین منانے کا مسئلہ ہمارے دینی اور علمی حلقوں میں آج کل زیر بحث ہے۔ اسی سلسلے میں نامور محقق اور مورخ جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اظہار خیال فرمایا ہے جو ہفت روزہ "مسلم ورلڈ" میں شائع شدہ ایک مضمون کے جواب میں تحریر کیا گیا۔ مضمون کی افادیت اور مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ہم اسے نذر قارئین کر رہے ہیں۔ (ایڈیٹر)

پیرس ۔ ۱۷ شوال ۸۵ھ

بنام مدیر "مسلم ورلڈ"، کراچی

برادرم، السلام علیکم۔ آپ نے ۶ شوال ۱۳۸۵ھ کے پرچے میں ایک مضمون ہجری تقویم کے موضوع پر شائع کیا ہے اور قارئین کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی ہے۔ میں اس سلسلہ میں چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

(۱) مضمون میں لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں کوئی تقویم نہ تھی۔ یہ درست نہیں۔ عرب میں تنوع تو ضرور تھا۔ ہر علاقہ اپنا الگ سنہ رکھتا تھا جس کا آغاز بھی وقتاً فوقتاً بدلتا رہتا تھا۔ مگر سال کا حساب رکھنے کے طریقے موجود تھے، اور سب محرّم کے مہینے سے شروع ہوتے تھے۔ مثلاً جناب رسول اللہؐ کے عہد مبارک میں مکّے والے اپنا حساب اصحاب فیل کے واقعے یعنی حبش کے حملے سے شروع کرتے تھے۔

(۲) مضمون میں لکھا ہے "سال کا حساب کسی اہم واقعے سے لگایا جاتا تھا۔" یہاں ایک تو تضاد بیانی ہے۔ پہلے کچھ اور کہا ہے۔ یہاں کچھ اور پھر اس جملے میں الفاظ ایسے استعمال کئے گئے ہیں، جن سے مطلوبہ معنی برآمد نہیں ہوتے کسی اہم واقعے سے سال کا حساب نہیں بلکہ سنہ کا حساب شروع ہوتا تھا، جیسا کہ دنیا بھر میں ہوتا ہے۔ عرب میں تو سال کا حساب ہمیشہ محرم سے شروع ہوتا تھا۔ اور حج پر ختم ہوتا تھا۔

(۳) مضمون میں لکھا ہے "قریش اس طاقت کا استعمال اپنی مرضی کے مطابق کرتے تھے (اور جب چاہتے تھے لوند کا مہینہ گھٹا بڑھا دیتے تھے)" یہ بیان بھی صحیح نہیں۔ تقویم کا بندوبست قریش کے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں تھا بلکہ قبیلہ تمیم کے سپرد تھا یہ شخص گویا تقویم کا مہتمم ہوتا تھا اور وہ شمالی مشرقی عرب سے دور دراز کا سفر کرکے اپنا فرض ادا کرنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ قریش مکہ اُس پر ذرا بھی اختیار نہ رکھتے تھے۔ یہ شخص مہینہ بڑھانے کا حکم ہمیشہ ایک ہی طریقے سے دیتا تھا، یعنی لوند کے سال میں کہ جب محرم ذی الحجہ کے فوراً بعد نہیں بلکہ مہینے بھر بعد آتا تھا اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ یہ کام بے ضابطہ طور سے نہیں بلکہ مقررہ وقفوں کے مطابق ہوتا تھا۔

۴۔ مضمون میں کہا گیا ہے کہ جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے آخری حج ۷ فروری کو ادا فرمایا۔ میرا خیال ہے کہ یہاں کچھ غلطی ہوئی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاوّل ۱۱ھ میں وفات پائی آپؐ نے آخری حج اس سے تین مہینے پہلے ادا فرمایا تھا۔ وولزیلی ہیگ کے حساب کے مطابق ۱۱ھ ۲۹ مارچ ۶۳۲ء کو شروع ہوا ہے۔ اس لئے حج اس سے بیس دن پہلے شروع ہوا ہوگا، یعنی ۹ مارچ ۶۳۲ء کے قریب۔

۵۔ مضمون میں کہا گیا ہے کہ حجۃ الوداع سے دو سال پہلے مکہ فتح ہوچکا تھا مگر جناب رسول اللہؐ نے لوند کے مہینے کا طریقہ نہیں بدلا۔ یہ بیان غلط فہمی پیدا کرتا ہے یہ بات مسلّم ہے کہ عرب میں لوند کا مہینہ ہر تیسرے سال بعد بڑھایا جاتا تھا یہ کام مکے میں ہوتا تھا اور حج کی خاطر ہجرت کے بعد مسلمانوں کو مکے میں آنے کی اجازت نہ رہی تھی۔ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ جناب رسول اللہؐ نے مدینے میں بھی لوند کے مہینے کی رعایت رکھی ہو اس کے برخلاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اصلی محرم کا بھی علم تھا اور لوند والے محرم کا بھی۔ جیساکہ حجۃ الوداع کے خطبہ سے صاف ظاہر ہے ۹ھ میں دونوں قسم کے محرم حج کے بعد ایک ساتھ آرہے تھے حضورؐ کو اسی کا انتظار تھا کہ تقویم کی اصلاح سے کسی کو تکلیف نہ ہو۔ ۹ھ میں یہ مقصد حاصل ہوگیا ۱۰ھ میں حضورؐ بنفسِ نفیس مکے تشریف لے گئے اور لوند کے مہینے کا قصہ ہمیشہ کے لئے ختم کردیا۔ آپؐ نے یہ حکم قرآن شریف کی ایک آیت (نویں سورت آیت ۳۷) کے بموجب دیا جس میں نسئی (لوند کا مہینہ بڑھانے) کو مردود قرار دیا گیا ہے۔

۶۔ اس بیان میں ذرا بھی صداقت نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں لوند کا مہینہ بڑھایا گیا۔ قرآن شریف نے اس کی صاف الفاظ میں ممانعت کی ہے چنانچہ کوئی مسلمان ایسی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔

۷۔ حضرت عمرؓ نے صرف یہ کیا تھا کہ اسلامی تقویم کے نقطۂ آغاز کو اس طرح مقرر کردیا کہ حساب کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ہی طریقہ رائج ہو جائے۔ یہ تو میں نے کہیں بھی نہیں پڑھا کہ رومی یا ایرانی تقویم کو اختیار کرنے کی تجویز پیش ہوئی ہو۔ مجھے اس تجویز کا بھی علم نہیں کہ اسلامی تقویم کا آغاز جناب رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت سے کیا جائے۔ جب یہ تجویز پیش ہوئی کہ آغاز قرآن شریف کے نزول سے کیا جائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ''اس وقت تو ہم میں سے بہت سے لوگ کافر تھے۔'' جب جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات سے تقویم شروع کرنے کی تجویز سامنے آئی تو خلیفہ دومؓ نے فرمایا کہ یہ دن تو ہمارے لیے غم کا ہے چنانچہ آخر ہجرت کے واقعے کو اختیار کر لیا گیا۔ اس سلسلے میں امام بیہقیؒ نے اپنی غیر مطبوعہ کتاب دلائل النبوۃ میں ایک بہت اہم بات بتائی ہے وہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی حیات ہی میں مسلمانوں نے تقویم کے آغاز کے لئے ہجرت کے واقعے کو اختیار کر لیا تھا، مگر اختلاف اور تنوع اس بات میں تھا کہ کچھ لوگ تو اس سال کے محرم سے حساب شروع کرتے تھے کہ جس سال سے ذوالحجہ میں ہجرت کا فیصلہ ہوا (یعنی ہجری سنہ سے ایک سال پہلے) کچھ لوگ اس محرم سے شروع کرتے تھے، جو جناب رسول اللہ ﷺ کے مدینے تشریف لانے کے بعد آیا (یعنی ۲ھ سے) پھر کچھ لوگ اس سال کے محرم سے جس کے ربیع الاول میں جناب رسول اللہ ﷺ مکے سے روانہ ہوئے۔ یہی وہ صورت ہے جسے خلیفۂ دومؓ نے مشورے کے بعد سرکاری طور سے اختیار فرمایا۔

۸۔ مضمون میں کہا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ اتنے دن زندہ نہیں رہے کہ لوند کا مہینہ ختم کرنے سے جو خراب نتائج برآمد ہوئے انہیں دیکھ سکیں۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مضمون نگار کو اس بات کا ذرا بھی اندازہ نہیں کہ لوند کے مہینے کو دوبارہ شروع کرنے یا اسلامی مقاصد کے لیے شمسی تقویم اختیار کرنے سے کیا خراب نتائج پیدا ہوتے ہیں، بہر حال قمری حساب کے چند فائدے حسب ذیل ہیں۔

چاند کے حساب کے فوائد

(ا) جہاں تک روزے کا سوال ہے، خالص قمری حساب بہت مفید ہے کیونکہ اس سے آدمی کو ہر موسم میں کھائے پیئے بغیر رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ نہ تو یہ ہے کہ ہمیشہ سختی رہے اور نہ یہ کہ ہمیشہ آسانی رہے جنگ کے زمانے میں یا دکانداروں کی ہڑتال کے زمانے میں یا اور ایسے ہی حالات میں یہ روزے کی عادت بڑی افادیت رکھتی ہے۔

(ب) اسلام ایک ایسا دین ہے جو ساری دنیا کے لئے آیا ہے۔ لہٰذا آب و ہوا کے اختلافات کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً اگر روزوں کا زمانہ جنوری میں مقرر کر دیا جائے تو خط استوا کے اوپر کرۂ ارض کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شمالی نصف حصے میں سردی ہوگی اور خطِ استوا کے نیچے جنوبی حصّے میں گرمی اس طرح سہولت کا منشا فوت ہو جائے گا۔ اگر روزے سردیوں ہی میں رکھ دیئے جائیں تو پھر یکسانی حاصل نہیں ہو سکتی۔ شمالی حصّے والے جنوری میں روزے رکھیں گے اور جنوبی حصّے والے جولائی میں۔ اگر خطِ استوا کے نزدیک والے علاقوں میں سردیوں کا زمانہ خوشگوار ہوتا ہے تو قطبین کے علاقوں میں یہی زمانہ بڑا خوفناک ہوتا ہے۔ اس طرح تو مختلف خطوں کے مسلمانوں میں امتیاز پیدا ہو جائے گا۔ اس خرابی کا سدِّ باب قمری تقویم ہی سے ہوتا ہے کہ سارے مسلمان باری باری سے تمام موسموں میں روزے رکھیں گے۔

(ج) زراعتی پیداوار چھوڑ کر بس انداز کئے ہوئے مال یا تجارت وغیرہ پر زکوٰۃ اس طرح بڑھ جاتی ہے کہ پتہ بھی نہیں چلتا۔ وہ یوں کہ ہر ۳۳ سال میں حکومت کو معاشرے کی بہبودی اور خصوصاً غریبوں کی مدد کے لئے امیروں سے زائد پیسہ ملتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر امریکہ اور روس کے وزرائے مالیات چھوٹے چھوٹے تعصبات سے اوپر اٹھ سکیں تو وہ ٹیکس کا حساب لگانے کے لئے قمری تقویم فوراً اختیار کر لیں۔ اس کا ایک اور بھی عملی فائدہ ہے جس پر ہم ابھی بحث کریں گے۔

(د) آپ کہتے ہیں کہ حج کے لئے خوشگوار موسم زیادہ مناسب ہوگا، یعنی کہ کا جاڑا یا بہار۔ مگر مغرب کے ترقی یافتہ ملکوں میں سرکاری ملازموں کو گرمیوں میں تنخواہ کے ساتھ ایک مہینے کی چھٹی ملتی ہے۔ مسلمان ملازمین اس بات کے انتظار میں رہتے ہیں کہ چھٹی کا زمانہ حج کے ساتھ آئے۔ آپ کا منصوبہ رائج ہو جانے تو ایسے لوگ اور کئی دوسری قسم کے لوگ بھی حج سے محروم ہو جائیں گے۔

(۹) جناب رسول اللہؐ نے جب لوند کے مہینے کی ممانعت فرمائی تو حضورؐ کو یہ بھی احساس تھا کہ موسموں اور فصلوں کا تعلق شمسی تقویم سے ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے اس مسئلہ کا بھی حل بھی تجویز فرما دیا۔ اس زمانے کی دستاویزوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فصلوں کا محصول ادا کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص مہینہ مقرر نہیں فرمایا بلکہ کاشتکاروں کو یہ آسانی دے دی کہ ہر فصل کے وقت جب پیداوار ایک خاص مقدار سے اوپر ہو تو وہ محصول ادا کر دیں۔ تجارت، پس انداز کئے ہوئے مال، مویشی، وغیرہ کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجری سال کے خاص مہینے مقرر فرمائے یہ دو قسم کے طریقے محکمہ مال کے لئے ایک اور طرح بھی بہت مفید ہیں۔ آج کل کے "ترقی یافتہ ملکوں میں جہاں شمسی سال کے مطابق حساب ہوتا ہے، سرکاری خزانہ مالی سال کے آخری ہفتوں میں خالی ہونے لگتا ہے اور حکومت کو کچھ عرصے کے لئے بونڈ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاری کرنے پڑتے ہیں تاکہ نئے سال کی آمدنی ہونے تک کام چلایا جاسکے۔ یونٹ چونکہ قرضے کی ایک شکل ہے اسی لئے حکومت کو اس پر سود دینا پڑتا ہے۔ حضورؐ نے جو طریقہ مقرر فرمایا ہے اُس میں یہ فائدہ ہے کہ روپیہ ہر موسم میں آتا رہتا ہے اور کمی کا خطرہ نہیں رہتا کیونکہ بعض محصول قمری مہینوں کے حساب سے آتے ہیں اور بعض شمسی مہینوں کے حساب سے۔

۳۔ اب ذرا عملی پہلو کا جائزہ لیجئے۔ مضمون میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ مکے میں جس دن چاند نظر آئے اُسی کو ساری دنیائے اسلام کے لئے فیصلہ کن سمجھا جائے۔ عیدالاضحیٰ کے معاملے میں تو خیر یہ بات ممکن بھی ہے۔ کیونکہ یہ عید دسویں تاریخ کو ہوتی ہے لیکن رمضان اور شعبان کے چاند کے معاملے میں اتنی آسان نہیں قطب شمالی سے لے کر قطب جنوبی تک لاکھوں گاؤں اور قصبے ہیں جن میں سے بیشتر غیر مسلم حکومتوں کے ماتحت ہیں۔ اور وہاں مسلمانوں کی بھی آبادی ہے۔ وہاں تار کون بھیجے گا؟ خود پاکستان میں بھی ایسے گاؤں کتنے ہیں۔ جہاں ریڈیو موجود ہو؟ مکے کا ریڈیو یہ اطلاع کتنی زبانوں میں نشر کرے گا؟ جس وقت مکے میں سورج غروب ہوگا اُس وقت دنیا میں کتنی جگہیں ایسی ہیں جو مکہ کا ریڈیو سننے کے لئے تیار ہوں گی؟ کیونکہ مقامی وقت تو فاصلے کے ساتھ بدلتا چلا جاتا ہے۔ انتظامی پہلو سے قطع نظر، چاند سب جگہ ایک ہی وقت میں نظر نہیں آتا فطرت نے بندوبست ہی ایسا کیا ہے کہ چاند زمین کے گرد "دیتر تا" اور گھومتا رہتا ہے اور چاند کا نظر آنا اور چھپنا اس کے حساب سے ہوتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مثلاً ڈھاکے میں ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہیں آیا، مگر کراچی یا مکہ یا پیرس یا نیویارک میں نظر آگیا۔ یہ تو فضا کی حالت کا معاملہ نہیں بلکہ فلکیات کا مسئلہ ہے۔ اگر چاند صرف مکہ میں نظر آیا ہے تو کیا کراچی ڈھاکہ، جکارتا وغیرہ کے مسلمانوں کو فطرت کے قانون اور شریعت نبویؐ دونوں کے خلاف عمل کرنا پڑے گا؟ آپ نے مضمون میں چند پاکستانی اصلاحات کا ذکر کیا ہے۔ پیرس کے اخباروں میں یہ خبر شائع نہیں ہوئی اس لئے مجھے نہیں معلوم کہ آپ کا کیا مطلب ہے۔ مگر مجھے ۱۹۵۰ء کے اس واقعے کا بخوبی علم ہے کہ نیا چاند دیکھنے کے لئے ہوائی جہاز اڑا تھا۔ معاملہ کتنا پیچیدہ ہے اس کا اندازہ کرنے کے لئے کسی دن کلفٹن چلے جائیے، مگر مطلع صاف ہونا چاہیئے۔ پھر سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھئے اگر اس وقت کوئی ہوائی جہاز چند ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ رہا ہو تو اس سے دریافت کر کے دیکھئے ہوائی جہاز والا کہیگا کہ سورج ابھی تک چمک رہا ہے اس قسم کا واقعہ جناب رسول اللہؐ کے زمانے میں بھی پیش آیا تھا۔ آپؐ ایک میدان میں تشریف رکھتے تھے، غروب آفتاب کا وقت آیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو آپؐ نے روزہ افطار فرما لیا۔ اتنے میں ایک آدمی نے پہاڑ کی چوٹی پر سے پکارا کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس شخص کے لئے دن ابھی ختم نہیں ہوا، مگر ہمارے لئے ختم ہو گیا۔ غرض یہ ہے کہ ہوائی جہاز چلانے والا تو روزہ نہیں کھولے گا مگر آپ کلفٹن کے ساحل پر ہیں تو آپ کو روزہ کھولنا پڑے گا۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ لوگ پیچیدہ انتظامات یا مشینوں کے پابند ہو کے رہ جائیں۔ اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ دُنیا کے سب سے کم "تہذیب یافتہ" حصوں میں بھی دینی ضروریات معمولی سے معمولی مسلمان کی بھی دسترس سے باہر نہ ہوں۔

میری ناچیز رائے میں تو یہ اصل بات نہیں کہ لوگ عید ایک خاص دن منائیں بلکہ چیز یہ ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعوں پر خلوص اور پورے خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں اور اس کا شکر بجا لائیں۔ اگر بعض مقامات پر یہ عبادت ایک دن ہوئی اور دوسرے مقامات پر دوسرے دن تو ہرج ہی کیا ہے؟

بقیہ: مغرب میں افراطِ زر اور اسلام

(ص) سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں انسان کی تعلیم و تربیت کے وسیع نظام کے ذریعے ایک اجتماعی ضمیر کی تعمیر کی جاتی ہے۔ تاکہ معاشرے کا ہر فرد معیشت کے مختلف عوامل کی حرکات پر نظر رکھے، ایسے حالات میں ناجائز منافع خوری جھوٹے اشتہارات مکر و فریب کے ذریعہ منافع خوری سود خوری غرضیکہ تمام حربوں کے لئے پورا معاشرہ کمر بستہ ہو جاتا ہے۔

حرفِ آخر

اسلامی معیشت جن اصولوں پر استوار ہے وہ اپنی بنیاد کے اعتبار سے ایسی معاشی اقدار اور ایسے کاروباری ضابطہ اخلاق کو جنم دیتی ہیں۔ جن کی موجودگی میں غیر صحت مند رجحانات یا تو پیدا ہی نہیں ہوتے اور اگر پیدا ہوں تو خود معیشت کے ادارے میں انہیں درست کر دیتے ہیں۔ افراطِ زر بھی اس قسم کے رجحانات میں سے ہے توقع ہے کہ اسلامی معیشت اس کی شدت سے بچی رہے گی۔

© rasailojaraid.com